حضرت امیر معاویہؓ اور یزید کی ولی عہدی

(حضرت مولانا حسین احمد مدنی مرحوم و مغفور کا ایک اہم مکتوب)

مولانا مرحوم کا یہ مکتوب گرامی ان کے مجموعہ مکتوبات جلد اول میں شائع ہو چکا ہے (صـ۲۴۲ - ۲۵۲) اس میں آپ نے ان اسباب پر مختصر روشنی ڈالی ہے جو یزید کو ولی عہد بنائے جانے کا باعث ہوئے تھے عام مورخین اور حال کے واعظین و مقررین حضرات سیدنا حضرت حسینؓ رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بیان کرتے وقت یزید کی ولی عہدی کو بھی درمیان میں سے آتے اور شہادت کی کڑی اس سے ملاتے ہیں۔ ایسے حضرات ہی کے غور و فکر کے لیئے ہم یہ ارشادات رحیق میں شائع کر رہے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب کے آخر میں فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ علمی مکتوب سفر میں بلا مراجعت کتب تحریر کیا ہے۔ اس بنا پر ہم نے زیادہ ضروری مقامات پر حواشی میں کچھ وضاحتی نوٹ دے دئیے ہیں۔ جو موضوع پر غور کرنے میں امید ہے معاون ثابت ہوں گے (رحیق)

اپنے سوالات[1] کا جواب بغور پڑھیئے۔

(مقدمہ اولی) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں۔ وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس لیئے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہو گا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

(مقدمہ ثانیہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات[2]

---

[1] حضرت امیر معاویہؓ کا یہ فعل کیا غیر مستحسن نہیں ہے کہ انہوں نے یزید جیسے فاسق و فاجر کو خلافت کے لیئے نامزد فرمایا

[2] حضرت معاویہؓ کے متعلق ان سب روایات کا استقصاء حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ (صـ۱۱۹ - ۱۲۵ جلد اول) میں کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی ازالۃ الخفاء (صـ۱۲۶ - ۱۲۷ جلد اول) میں بعض کا ذکر کیا اور فرمایا ہے وقد استفاض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استکتبه وهو لا يستكتب الا عدلا امينا انتهى حضرت معاویہؓ کے کاتب وحی کا ذکر صحیح مسلم وغیرہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ (رحیق)

موجود ہیں۔ مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعا فرمانا اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا (اے اللہ تو معاویہ کو ہدایت یاب اور ہادی بنا دے) یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ[1]۔ اس لئے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضرور ہوگی[2]۔

(مقدمہ ثالثہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت سے ان کی روحانی اور قلبی اس قدر اصلاح ہوگئی ہے۔ اور ان کی نسبت باطنیہ اس قدر قوی ہوگئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر ہر صحابی کی افضلیت کا بعد والوں پر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی[3] رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہ (رضی اللہ عنہم) تو فرمایا کہ امیر معاویہ کے گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جس پر سوار ہوکر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔

(مقدمہ رابعہ) معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہو سکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ گناہ صورۃً ہی گناہ ہے حقیقۃً نہیں ہے حقیقت میں اس کو گناہ نہ کہا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا ایک پیغمبر کی اور وہ بھی بڑا بھائی سخت اہانت ہے، جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا۔ محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے کی وجہ سے مقام

---

[1] صحیح بخاری (ص ۵۳۱ جلد ۱ کتاب المناقب) ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں فھذہ شھادۃ الصحابۃ بفقھہ ودینہ والشاھد بالفقہ ابن عباسؓ (منہاج ص ۱۸۵ جلد ۳)

[2] کیوں؟ اس لئے کہ مورخین کی روایتیں تو عموماً بے سرو پا ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے۔ نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے۔ اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے۔ تو عموماً ہر غث و سمین سے اور ارسال و انقطاع سے کام لیا ہے۔ خواہ ابن الاثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد (مکتوبات مولانا حسین احمد مدنی ج ۱ ص ۲۶۶)

[3] البدایہ والنہایہ (ص ۱۳۹/ج ۸) میں یہ قول امام عبداللہ ابن المبارک کا قرار دیا گیا ہے۔ (رحیق)

شجاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہوگی۔ مگر یہ امر اس وقت باعث خوف نہ ہوگا، حالانکہ وہ کافر تھا۔ ملک دارالحرب تھا۔ دشمن خدا و رسول کا ہم قوم اور رشتہ دار تھا۔ ظالمانہ طریقہ پر اسرائیلی پر غلبہ کرتا ہوا ستا رہا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد معافی مانگ لی اور معافی دے دی گئی۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَہٗ اِنَّہٗ هُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ[1]۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ (سورہ قصص)

مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں، حضرت موسیٰ نے الواح کو پٹک دیا وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ (سورہ اعراف) کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس میں کوئی شبہ نہیں، کس قدر بڑا گناہ ہے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں ہوا۔ یقیناً یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ اور اس جوش نے یہ سب کچھ کرایا تھا۔ جو عشق خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا، یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا، جب کہ طور پر خبر کردی گئی تھی۔ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَکَ مِنْۢ بَعْدِکَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ[2] (سورہ طٰہٰ) اور قبطی کا قتل عصبیت نسلی پر مبنی تھا۔ اس لئے وہ خطرناک ہوا، اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہوسکتا ہے تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو کیوں نہیں ہوسکتا، اور اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اور کتاب اللہ کی اہانت اور ہا تھا پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علیؓ اور صاحبزادوں سے جنگ و جدال پر کیا مواخذہ متروک نہیں ہوسکتا۔ اور اگر حضرت موسیٰ کا غصہ بھائی پر ان کی رشتہ داری اور قرابت قریبہ کی وجہ سے تیز ہوسکتا ہے تو بنی ہاشم اور حضرت علیؓ اور صاحبزادوں پر حضرت معاویہؓ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہوسکتا ہر دو ابنا رعم ہی تو ہیں۔

(مقدمہ خامسہ) ہم فرط عقیدت اہل بیت میں آکر ہر دو کے تعلقات اور اس زمانہ کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔ مورخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھے ہیں، مندرجہ ذیل احوال پر نظر ڈالیں۔

---

[1] بولا اے میرے رب ہم نے برا کیا اپنی جان کا سو بخش مجھ کو، پھر اس کو بخش دیا۔ بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان [2] ہم نے تو بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے۔

عبد مناف کے ۴ بیٹے ہیں۔ عبد شمس، نوفل، مطلب، ہاشم۔ عبد شمس نسل قریش ہی کی لڑکی سے کثرت اولاد حاصل کی، بنی امیہ پھلے اور پھولے اور خاندان میں کثرت ہوئی۔ ہاشم کے کوئی اولاد کسی کی عورت سے نہیں ہوئی، ایک لڑکا بخاریہ عورت سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ اس کی صغر سنی ہی میں ہاشم کا انتقال ہوا۔ لڑکا ننہال میں پرورش پاتا ہے۔ جب بڑا ہوتا ہے تو چچا یعنی مطلب اس کو مکہ میں لاتا ہے۔ وہ اونٹنی پر ردیف ہے۔ لوگ اس کو مطلب کا عبد سمجھ کر عبد المطلب کہہ کر پکارنے لگتے ہیں۔ اس کا نام شیبۃ الحمد ہے، مگر اس نام کو کوئی نہیں جانتا۔ اس لڑکے کی پرورش وغیرہ کا تکفل چچا یعنی مطلب ہی کرتا ہے (یعنی وہ اس زمانہ میں ہر طرح دست نگر چچا ہی کا ہے) لڑکا اگرچہ ہونہار ہے اور وہ مجد اور شرافت طبعی اور اخلاقی ایسی رکھتا ہے کہ چچا اور اس کی اولاد نہایت محبت اور شفقت کرنے لگتے ہیں۔ اور اس کی اخلاقی عظمت اجنبیوں کو بھی گرویدہ بناتی ہے مگر یہ زمانہ فخر بالانساب اور فخر بالاحباب اور فخر بالمال اور فخر بالعز کا ہے۔ یہ لڑکا ہاشم کی نسل سے ہے، مگر ماں باہر کی، اس کے کوئی بھائی حقیقی جو کہ قوتِ بازو ہوتا موجود نہیں۔ مال جس کی وجہ سے عزت اور ناموری پیدا کرتا موجود نہیں۔ اس لئے اس کے لئے عزت کا سامان نہیں ہے۔ ادھر اس کے اخلاق جمیلہ لوگوں کو کھینچتے ہیں۔ عوام میں اس کی عزت اور توقیر ہوتی ہے اس صورت میں ابناء عم کو رشک پیدا ہونا طبعی امر ہے۔ اور ان کو یہ حسد لوگوں کے سامنے بھی اور اپنے قلب میں بھی حسب رواج زمانہ و ملک مجبور کرتا ہے۔ کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور نسب کو ظاہر کریں۔

عبد المطلب بڑے ہوتے ہیں۔ تجارت کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ خواب میں زمزم کو دیکھتے ہیں، جس کو جرہم نے بند کر کے اس طرح معدوم النشان کر دیا تھا۔ کہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا، حالانکہ یہ کنواں بنی اسماعیل علیہ السلام کا مایہ فخر تھا۔ عبد المطلب خواب کے اشارہ کے موافق کنواں کھودنا چاہتے ہیں، ابناء عم مانع ہوتے ہیں۔ جس قدر بھی دلائل عقلیہ پیش کی جاتی ہیں۔ سب اس رشک اور ظاہری قوت کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں۔ قلتِ عدد اور ضعف بازجال آخر کار ناکامی کا منہ دکھاتی ہے (آخر تو اس دنیا میں ہمیشہ قوت

ہی سے لوہا منوایا گیا ہے۔ تہذیب اور تمدن، عقل اور انسانیت کا مدعی یورپ آج کیا کر رہا ہے) اس زمانہ میں تو اس قوت کا بت جس قدر بھی رنگ لاتا کوئی تعجب خیز نہیں۔ عبدالمطلب مجبور ہو کر خداوند کریم سے نذر کرتے ہیں۔ کہ اگر میرے اس قدر اولاد ہو جائے جو کہ ان رقباء و حساد کا مقابلہ کرے تو میں ایک بیٹے کو تیرے واسطے ذبح کر دوں گا۔ اپنی اس قوت کے لئے ہر بڑے خاندان میں متعدد شادیاں کرتے ہیں۔ خداوند کریم اپنے فضل سے ان متعدد ازواج سے بہت سے اولاد ذکور و اناث دیتا ہے۔ بیٹے جوان ہو جاتے ہیں، متعدد داماد ہو جاتے ہیں۔ خاندانوں میں مصاہرت کی وجہ سے قوی رشتہ داری قائم ہو جاتی ہے اب بارہ نوجوان قوی ہیکل بیٹوں کو لے کر زمزم کھودنا چاہتے ہیں۔ پھر وہی ابناء عم مانع آتے ہیں۔ مگر اب عبدالمطلب تن تنہا نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ جان نثاروں دیو قوت قوی ہیکل جوان بیٹے ہیں۔ جو شخص سامنے آتا ہے اس کو موت کا پیالہ پلانے کے لئے تیار ہیں ایک ایک نفر سو سو کا مقابلہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، ہمدرد بہت سے پیدا ہو چکے ہیں۔ عبدالمطلب کی عظمت کا سکہ بیٹھ چکا ہے۔ بالآخر عبدالمطلب اپنے بیٹوں وغیرہ کی امداد سے کنواں کھود ڈالتے ہیں۔ اور ابناء عم کو سخت ناکامی اور عاجزی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے کنویں کے ظاہر ہو جانے اور پرانی نشانیوں کے ہویدا ہونے سے عبدالمطلب کی عزت اور ناموری کو چار چاند لگ جاتے ہیں، سقایۃ الحاج ان ہی کا حصہ ہوتا ہے، جس سے تمام عرب اور حجاج و عمار میں ان کا بے مثل وقار قائم ہو جاتا ہے۔ ...... اگر یہ وقار اخلاقی ہے دور بین انصاف پسند عقلمند لوگ اس کی ضرور قدر کرتے ہیں۔ مگر ظاہر بین اشخاص جن کی ہر زمانہ اور بالخصوص اس زمانہ اور اس شہر اور ملک میں اکثریت ہے وہ مادی ہی برتری کے پوجاری ہیں جو کہ ابناء عم یعنی بنی امیہ میں ہی ہے۔

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بنی ہاشم میں ہوتا ہے۔ اور بنی المطلب پر ہوتا ہے۔ اس کے بیان کی حاجت نہیں بالآخر خیف بنی کنانہ میں ہر قبیلوں کو تین سال تک قید اور نان کو اپریشن کی مصائب جھیلنی پڑتی ہے۔ ابناء عم کی مادی طاقت میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ قبائل عرب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے۔ مگر آسمانی طاقت

بنی ہاشم کے ساتھ ہے۔ بالآخر صلح اور نان کو اپریشن کو فیل کرنے کی نوبت آتی ہے۔ تاہم نہ ان کی قلبی آتش رشک میں کمی آتی ہے۔ اور نہ ان کی مادی طاقت میں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، ان صاحب زادیوں کو جن کو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے طلاق دلوادی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے اور تیسری کی ابوالعاص بن الربیعؓ سے شادی کر دیتے ہیں۔ جس سے بنی امیہؓ کی طاقت میں نیز ان کی رشک کی آگ میں کمی کی قوی امید ہے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہؓ سے ان کے بیوہ ہوجانے پر حبشہ میں نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خط بھیج کر شادی کرتے ہیں۔ اس شادی کی خبر ابوسفیانؓ کو جب پہنچتی ہے تو ان کی حمیّت اور غضب کی آگ ایک درجہ تک ضرور ٹھنڈی پڑتی ہے۔ اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ وہ یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں۔ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج کا سلسلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے۔ جس میں سے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے جن کو سیاسی مصلحت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج میں کوئی ہاشمیہ یا مطلبیہ یا انصاریہ عورت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ یہ قبائل تو آپ کے جان نثار پہلے ہی سے تھے۔ ان سے علائق مودت و نصرت قائم کرنے اور ان کی آتش حسد کو بجھانے کی ضرورت ہی نہیں) آسمانی نصرت نے بالآخر تمام بنی اعمام کو آپ کے سامنے سر جھکانے اور بنی ہاشم کا لوہا ماننے پر مجبور کیا۔ مگر تاہم ان کی مادی طاقت کم نہیں ہوئی۔ حدیبیہ کے میدان میں صلح کا پیغام دینے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی بنا پر عمل میں لایا گیا۔ جس کی تصریح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اور یہی ہوا بھی کہ جب حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ قریش کے مجمع میں پہنچتے ہیں، تو بنی عبد شمس اور بنی امیہؓ ان کے دائیں اور بائیں آکر ان کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ اور انتہائی عزت کرتے ہیں۔ مخالفین اسلام جو مسلمانوں کے قتل اور توہین کے انتہائی پیاسے تھے۔ ان کو گزند نہیں پہنچا سکتے۔ فتح مکہ میں حضرت عباسؓ کی مبارک سعی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر رنگ لاتی ہے اور ابوسفیان مسلمان ہوکر وہ عزت ظاہری بھی حاصل کر لیتے ہیں، جس سے ان کا اور ان کے خاندان بنی امیہؓ کا سر تمام قریش

ہیں اونچا ہو جاتا ہے، آپ اعلان میں یہ کلمات فرما دیتے ہیں۔ من دخل دار ابی سفیان فھو امن (جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا امن پا گیا)۔ ابو سفیان کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ بنی امیہ اگرچہ سر جھکانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مگر ان کا وقار برباد نہیں کیا گیا بلکہ زندہ ہی رکھا گیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت معاویہ اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہما کا آنا جانا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے خلفا کا احترام قائم و دائم ہے۔ اس رشتہ کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں اور صاحب زادوں حضرت حسین و حسن رضی اللہ عنہما کے نانا مانے جاتے ہیں الغرض یہ خاندان نہ تو اس قدر اجنبی ہے جتنا ہم سمجھتے اور نہ اس قدر گرا ہوا ہے جتنا اہل تاریخ اور ابناء زمان ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان کی پالیسی صلہ رحمی کی اس قدر زور پکڑتی ہے کہ بنی امیہ تقریباً کامل عروج مادی حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بنی امیہ کا جذبۂ اعتلاء اور قوت اس قدر زور پکڑ لیتا ہے کہ وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ مسلمان کا اقتدار اور تحفظ اب صرف بنی امیہ ہی کر سکتے ہیں۔ اسی درمیان میں واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیش آ گیا۔ اہل فتنہ کے سردار حضرت علی کرم اللہ کے ربیب ہیں۔ محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے یہ فتنہ پیش آیا۔ ان کی پرورش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمائی تھی۔ اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں تھیں۔ باوجودیکہ حضرت علیؓ اور ان کے صاحب زادے اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم اس فتنہ سے بالکل علیحدہ تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سراسر حامی تھے۔ مگر مصالح ذنفیہ وغیرہ کی وجہ سے نہ اہل فتنہ کو دفع کر سکے نہ اس کے بعد اپنے اقتدار اور بیعت کے بعد اہل فتنہ سے قصاص لے سکے۔ اس پر یہ عقیدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قوی ہو جانا مستبعد نہیں ہے۔ کہ نظام خلافت جو کہ مادی قوت کا بہت زیادہ محتاج ہے بنی ہاشم سے نہیں ہو سکتا۔ وہ اگرچہ تقویٰ اور صلاحیت کی حیثیت سے بہت بلند ہیں۔ مگر مادی اور حسن تدبیری میں اعلےٰ قابلیت نہیں رکھتے۔ اس کے لئے غزوۂ جمل اور غزوۂ نہروان وغیرہ ان کے نزدیک بہت بڑے شہود عدل ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے

ہی لوگوں کو بھی سنبھال نہیں سکتے۔ خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ ہے کہ خلافت اور نظام اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لئے مادی طاقت اولین شرط ہے۔ اور اس میں آج صرف بنی امیہ تمام قریش میں واحد مرکز ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے یعنی خلافت اسلامیہ کے لئے اولین شرط تقوے اور خدا ترسی ہے۔ اور اس کے واحد مرکز بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علیؓ ہیں۔ یہ دونوں اجتہادی نظریئے اپنا پھل پھول لاتے ہیں۔ یقیناً ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ صحیح ہے۔ اور جمہور اسلام بھی یہی رائے رکھتے تھے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو بالکل غلط بھی نہیں کہا جا سکتا۔[۱] بہرحال صفین کا ناگوار واقعہ پیش آیا اور آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح اور شرائط کی نوبت آئی۔ جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

اب اس کے بعد بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا۔ جس میں اندرونی سازش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ مگر اس کے لئے کوئی مستند ثبوت نہیں ہے اور نہ یہ امر ان نصوص کے موافق ہے۔ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق قرآن اور احادیث صحیحہ میں وارد ہیں۔ یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہیں۔ اس لئے اگر زہر کا واقعہ ثابت بھی ہو جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[۱]، [۲]، [۳] مولاناؒ کے اس نظریہ کو مدلل طور پر مؤرخ ابن خلدون نے بیان کیا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۵۔ ص ۲۰۶ طبع مصطفیٰ محمد مصر) (رحیق) [۴] فتح الباری ص ۵۵۳ جلد ۶ (کتاب الفتن) طبع دہلی کے علاوہ تاریخوں میں بھی اس کا ذکر ہے (رحیق) [۵] حافظ ابن کثیرؒ (البدایہ ص ۴۴ جلد ۸) اور امام ابن تیمیہؒ (منہاج ص ۲۲۵ جلد ۲) نے بھی زہر کے حضرت معاویہؓ (یا یزید) کی طرف اس انتساب کو غلط قرار دیا ہے۔
حیرت ہے کہ خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بعض کے پوچھنے کے باوجود کچھ بتایا نہیں۔ پھر معلوم نہیں یہ افسانہ کہاں سے آگیا۔ اصل یہ ہے کہ اگر یہ درست ہے تو یہ کارروائی بھی اسی سبائی گروہ کی ہے جس نے باقی اکابر صحابہؓ کو شہید کیا۔ اور ان کو باہم لڑاتے رہے۔ (رحیق)

کی سازش یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے۔

دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید کی خلافت کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش فرمائی اور اس کو نامزد کیا۔ اور لوگوں سے بیعت کا سامان کیا اور اسی امر کو آپ پوچھ رہے ہیں۔ تو اس میں مندرجہ ذیل امور قابل لحاظ ہیں۔

(الف) اس کے متعلق آیا ایسی مستند تاریخی روایات موجود ہیں جن کو ان روایات صحیحہ اور نصوص قرآنیہ کے مقابل لایا جا سکے۔ جو کہ علوشان صحابہ کرام پر دلالت کرتی ہیں۔ یقیناً ایسی روایات نہیں ہیں۔ اس لئے کیوں نہ کہا جائے کہ خود حضرت معاویہ رضؓ نے ایسا نہیں کیا بلکہ خود یزید اور اس کے اعوان نے اس کے لئے کوشش کی (یہ لوگ متقی نہ تھے اور ملوکیت پسند تھے) عام مسلمان اور بالخصوص اہل حجاز اس کے خلاف تھے۔

(ب) اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا سعی اس کے لئے ہوئی تھی تو جب کہ حسب شروط صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی۔ تو پھر اب ان عہود و مواثیق کی رعایت باقی ہی نہیں رہی تھی جو کہ بحیثیت صلح ضروری تھیں۔ اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا، ان کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہو سکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسن تدبیر ہو اور یہ امر آج بنی امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے۔ یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا

لہ مورخ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ ولی عہدی کے جواز پر صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا۔ انہم متفقون علی صحۃ ھذا العھد عارفون بمشروعیتہ والاجماع حجۃ ــــــ وان عھد الی ابیہ او ابنہ اھ۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ کے یزید کو ولی عہد بنانے کے متعلق طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں و حضور اکابر الصحابۃ لذلک وسکوتھم عنہ دلیل علی عدم الریب فیہ الخ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۲) حافظ ابن کثیر نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چند کے سوا سب صحابہؓ نے یزید کی ولی عہدی تسلیم کر لی تھی (البدایہ صفحہ ۷۹-۸۰ جلد ۸) ۲ے قسطنطنیہ کا یہ غزوہ سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ میں ہوا (باقی اگلے صفحہ پر)

(باقی اگلے صفحہ پر)

جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ اس کے فسق[له] و فجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا۔ اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی، ایک وہ شخص جو کہ فقیہ فی الاسلام ہے حسب دعوات مستجابہ ہادی اور مہدی ہے۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا کا مصداق وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ کا مظہر کُنْتُمْ

اس میں بڑے بڑے صحابہ شریک تھے۔ اور یزید ان میں تھا۔ اسی غزوہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی۔ اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم (صحیح بخاری ص۴۱۰ جلد ا طبع اصح المطابع دہلی) فتح الباری میں ہے فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر و منقبة لولده یزید لانه اول من غزا مدینة قیصر (ص۹۲ جلد ۳) (حاشیہ صفحہ ہذا)

له یزید کے فسق و فجور کا معاملہ زیادہ افسانوی سا ہی معلوم ہوتا ہے حافظ ابن کثیرؒ نے بہت کی مخدوش وغیر مخدوش حکایات ذکر کرنے کے بعد یوں لکھا ہے۔ وقد کان یزید فیه خصال محمودة من الکرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأی فی الملك وکان ذا جمال حسن المعاشرة وکان فیه ایضا اقبال علی الشهوات وترك بعض الصلوات فی بعض الاوقات واماتتها فی غالب الاوقات (البدایہ ص۲۳۰ ج ۸) لیکن اس کے ترک صلوٰۃ کی روایت کوئی نقل نہیں کی بلکہ اس کے خلاف حضرت محمد بن الحنفیہؒ (ابن علی المرتضیٰؓ) کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب ان کے سامنے یزید کے ترک صلوٰۃ و شرب خمر وغیرہ کا ذکر چھڑا تو انہوں نے یزید کی صفائی دیتے ہوئے فرمایا ما رأیت منه ما تذکرون وقد حضرته واقمت عنده فرأیته مواظبا علی الصلوٰة متحریا للخیر یسأل عن الفقه ملازما للسنة الخ (البدایہ ص۲۳۳ جلد ۸) کہ میں نے تو اس میں یہ بات نہیں دیکھی۔ میں اس کے یہاں جا کر ٹھہرا بھی ہوں وہ نماز کا پابند۔ خیر کا طالب، علم کا متلاشی اور متبع سنت تھا۔ پھر ابن کثیر ہی نے ذکر کیا ہے۔ کہ ۵۲ھ کے غزوہ قسطنطنیہ جس میں یزید امیر فوج تھا۔ (البدایہ ص۵۹ جلد ۸) حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے (البدایہ ص۱۵۱ جلد ۸) پھر یزید ہی نے اس غزوے میں انتقال کرنے والے حضرت ابو ایوب انصاری کے جنازہ کی (حسب ان کی وصیت) نماز پڑھائی (البدایہ ص۵۹ جلد ۸)

سوال یہ ہے اگر یزید ایسا ہی فاسق و فاجر تھا تو بڑے بڑے اکابر بلکہ حضرت حسینؓ (باقی اگلے صفحہ پر)

خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور اصحابی کالنجوم الحدیث اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذ وھم من بعدی غرضا وغیرہ احادیث و آیات کا مورد ہے، کیا وہ کسی مجاہر بالفسق والعصیان کو عالم اسلامی کی رقابت اور اموال وغیرہ کا ذمہ دار کر سکتا ہے۔

بخاری شریف کی بعض روایات سے کچھ اس نامزدگی کے اشارات معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں تصریح نہیں ہے۔ صرف رغبت اور پراپیگنڈا مفہوم ہوتا ہے، پھر یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ پراپیگنڈا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امر اور اطلاع سے ہو رہا ہے۔

(ج) اگر بالفرض یہ امور تسلیم بھی کر لئے جائیں۔ تو غایۃ ما فی الباب ایک خطا کا ارتکاب معلوم ہوتا ہے۔ جو کہ انسانی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے۔ جس سے کوئی مقرب یا ولی خالی نہیں ہو سکتا۔ نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان سے معصوم ہیں۔ اس کمزوری کا مرکز نہ صرف محبت اولاد ہے بلکہ یہ تجربہ اور ظن قوی بھی ہے۔ کہ امت مسلمہ کے اس وسیع احاطہ کو بجز ایسی قاہر ہستی اور ایسے منتظم اور مادی قوت والے شخص کے موجودہ قریش میں سے کوئی سنبھال نہیں سکتا تھا۔ بنی ہاشم اور دیگر اشخاص میں اگرچہ ایسی بے مثال ہستیاں موجود ہیں جو کہ تقوےٰ اور خشیت الٰہی کے آفتاب ہیں مگر یہ امر اتنے بڑے اہم امر کے لئے کافی نہیں ہے ورنہ سفک دماء اور اضاعت اموال اور فساد فی الارض پیدا ہوگا، اس لئے اہون البلیتین کو اختیار کرنا لازم ہے۔ ادھر تناقص خانگی بھی رنگ لاتا ہے۔

بہرحال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق حسن ظن جس کے لئے نصوص متعددہ

تک کیوں اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے۔ اسی اثناء میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے یزید کے متعلق کوئی کراہت منقول نہیں۔ اس سلسلے میں امام غزالی کی رائے ابن خلکان صفحہ) اور امام ابوبکر ابن العربی کا فیصلہ (العواصم من القواصم ص ۲۳۲) کا مطالعہ بھی ضروری ہے تاہم معتدل رائے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ہے۔ جیسے انہوں نے منہاج السنۃ (ص ۲۴۶ ، ص ۲۴۸ جلد ۲) میں بیان فرمایا ہے (رحیق) ؎ بہرے صحبہ کے متعلق اللہ سے ڈرو اور میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ۔

دار ہیں کسی حال میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالسرائر۔

تو مطہر اللہ سیوفنا عن دماءهم فلنطہر السنتنا عن اعراضهم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ونزعنا ما فی صدورهم الایۃ کے مصداق ہیں اور معاویہ ہوں، غور فرمایئے۔

اس تحریر میں طول زیادہ ہوگیا ہے۔ مگر انشاء اللہ بہت سے امور میں مفید ہوگی۔ میرے پاس اس وقت کتابیں نہیں ہیں۔ اپنی ناقص محفوظات اور ناقص علم کی بنا پر عرض کر رہا ہوں۔

والسلام ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۳ جمادی سنہ ۱۳۳۲ھ

(بقیہ صفحہ ۵۲۳)

مسندِ درس اور تلامذہ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی اور اپنا تمام اندوختہ اور حاصل کردہ علم نہایت شفقت اور محبت کے ساتھ شاگردانِ عزیز کے سپرد کرنے لگے۔ مقامی و بیرونی طلباء کو فیض پہنچانے کے لئے حیات عزیز کا ایک ایک لمحہ وقف کر دیا۔ آپ سے بے شمار لوگوں کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔ حضرت امام ابن شہاب زہری، عراک بن مالک، صالح بن کیسان اور ابوالزناد وغیرہ رحمہم اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

وفات آپ نے سالہا دراز تک قال اللہ وقال الرسول کا غلغلہ بلند کرنے کے بعد سنہ ۹۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے سنِ وفات میں اور قول بھی ہیں۔ مگر حافظ ذہبی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ تغمدہ اللہ تعالےٰ برحمتہ